# تاریخی

# اخلاقی کہانیاں

## ۳

افضل حسین

ایم۔اے۔ایل۔ٹی

# فہرست مضامین

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# (۱)

# خوش اخلاقی

ہندستان کے مسلمان بادشاہوں میں سے ایک کا نام ناصرالدین تھا۔ وہ بہت ہی نیک اور سادہ مزاج بادشاہ تھا۔ سرکاری خزانے سے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے ایک پیسا بھی نہیں لیتا تھا۔ گزراوقات کے لیے اس نے خوش نویسی اختیار کی تھی۔ کلامِ پاک اور دوسری کتابیں لکھ کر اُن کی آمدنی سے اپنے اخراجات پورے کرتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی رئیس اس سے ملنے آیا۔ اس نے اُسے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خوش خط کلامِ پاک دکھایا۔ رئیس اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ غور سے دیکھتا رہا پھر بولا ''اس میں کچھ غلطیاں ہیں، اُنھیں درست فرمالیجیے گا۔''

رئیس کی نکالی ہوئی غلطیاں حقیقت میں غلطیاں نہ تھیں۔ پھر بھی ناصرالدین نے بالکل بُرا نہ مانا بلکہ مسکرا کر اس کا بہت شکریہ ادا کیا۔ جن

غلطیوں کی اس نے نشاں دہی کی تھی ان کے گرد حلقہ بنا دیا کہ بعد میں درست کر لی جائیں گی۔

اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ بادشاہ کی خوش اخلاقی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

رئیس کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے سب حلقے مٹا دیے۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو بادشاہ نے کہا:

"مجھے معلوم تھا کہ غلطی کوئی نہیں ہے۔ مگر میں اپنے مہمان کو شرمندہ کرنا یا اُس کا دِل دُکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اِسی لیے اپنی غلطیوں کا اقرار کر کے ان کے گرد حلقہ بنا دیا تھا۔ اب وہ حلقے مٹا دیے گئے۔"

بادشاہ کی خوش اخلاقی سے درباری بہت متاثر ہوئے۔ وہ حیران تھے کہ اتنے بڑے بادشاہ نے ایک معمولی رئیس کی دل جوئی کے لیے زبردست اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

---

۱- ناصر الدین کیسا بادشاہ تھا؟ اس میں کون کون سی خوبیاں تھیں؟

۲- اس نے غلطیاں نہ ہونے کے باوجود الفاظ کے گرد حلقے کیوں بنائے؟

# (۲)

# سادگی

حضرت سلمانؓ ایک بڑے زبردست صحابی گزرے ہیں۔ وہ ایران کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ لڑکیوں کی طرح گھر سے باہر نہ جانے دیتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے دین کی خدمت کا بڑا جذبہ رکھتے تھے۔ شروع میں آتش پرست تھے۔ ایک بار جائداد کی دیکھ بھال کے لیے ان کے والد نے گاؤں بھیجا۔ راستے میں ایک گرجا ملا۔ جس میں اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ ان کے دل پر اس کا بڑا اثر پڑا۔ اب ان کو سچے دین کی تلاش ہوئی۔ ایک قافلے کے ساتھ چپکے سے شام پہنچے۔ عیسائی پادریوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔ مگر آپ کو ان سے تشفی نہ ہوئی۔ پادریوں کی زبانی عرب میں آخری نبیؐ کے ظہور کی خبر سنا کرتے تھے۔ انھی کا انتظار تھا۔

ایک بار ایک عربی قافلے سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے گائے

بکریاں پال رکھی تھیں۔ سب اس قافلے کے سپرد کردیں اور کہا: "مجھے اس کے بدلے تم اپنے شہر لے چلو۔ وہ لائے تو مگر بدعہدی کرکے ان کو غلام بنالیا اور ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب بے چارے پابند ہو گئے۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضورؐ جب ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو اتفاق سے وہ بھی ایک آدمی کے ہاتھ بک کر مدینہ آئے۔ یہاں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو پرکھ کر مسلمان ہو گئے۔ حضورؐ نے اُن کو غلامی سے بھی آزاد کرادیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں سلمانؓ مدائن کے گورنر ہوئے۔ پانچ ہزار دینار سالانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ مگر جب سرکاری خزانے سے رقم ملتی تو وہ اُسے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ خود چٹائی بُن کر روزی کماتے۔ انھوں نے اپنے لیے گھر نہیں بنایا۔ درختوں اور دیواروں کے سائے میں آرام کرتے۔ ایک پیالہ اور ایک لوٹا یہی ہمارے گورنر کا کل سامان تھا۔ اس پر بھی یہ حال کہ جب مرنے کے قریب ہوئے تو ان چیزوں کو دیکھ کر روتے تھے۔ اُنھیں یہ چیزیں بھی بوجھ معلوم ہوتی تھیں۔

---

۱۔ حضرت سلمانؓ کون تھے؟ وہ مدینہ کس طرح آئے؟

۲۔ اُنھوں نے اسلام کس طرح قبول کیا؟

۳۔ گورنری ملنے پر ان کا رہن سہن کیسا تھا؟

# (۳)

# جرأت

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کا ذکر ہے۔ رومیوں سے ایک بار جنگ چھڑی۔ مسلمانوں کی طرف سے مصر کے گورنر کو سپہ سالار بنا دیا گیا۔ وہ بیس ہزار مجاہدین کی فوج لے کر روانہ ہوئے۔ رومیوں کی فوج میں تقریباً دو لاکھ سپاہی تھے۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دورانِ جنگ میں رومی فوج کے سپہ سالار نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو جو قتل کرے گا، میں اس سے اپنی بیٹی بیاہ دوں گا اور ایک لاکھ دینار انعام میں دوں گا۔

مسلمانوں نے جب یہ اعلان سنا تو ان میں سے بعض گھبرا گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ یہ ابھی کم سن تھے، مگر تھے بڑے بہادر۔ آپ کو جب خبر ہوئی تو بولے "اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو مجاہد رومی سپہ سالار کو قتل کرے گا، اس کا نکاح اس سپہ سالار کی بیٹی سے کر دیا جائے اور ایک

لاکھ دینار انعام کے علاوہ اسے ان شہروں کا امیر بھی بنا دیا جائے گا جو رومی سپہ سالار کے قبضے میں ہیں۔"

بہ ہر حال بڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ دورانِ جنگ میں حضرت عبداللہؓ کی نگاہ رومی سپہ سالار پر پڑی۔ وہ اپنی فوج کے پیچھے تھا۔ اور دو باندیاں مورچھل کا سایہ کیے ہوئے تھیں۔ انھوں نے اس کی اس ہیئت سے اس کی بزدلی کا اندازہ لگالیا۔ اسے غافل پا کر وہ آگے بڑھے۔ فوج سے ہٹ کر تنہا بڑھتے چلے گئے اور جا کر حملے کر ہی دیا۔ وہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا بڑھتے چلے آرہے ہیں شاید صلح کا پیغام لا رہے ہیں۔ ورنہ بھلا تنہا آگے بڑھنے کی ہمت ایک کمسن نوجوان کو کیسے ہوسکتی ہے۔

بہ ہر حال حملہ کر کے انھوں نے تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا اور برچھے پر اُٹھا کر لے آئے۔ سارے فوجی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

---

۱۔ رومی سالار نے کیا اعلان کیا تھا؟ اس اعلان کا کیا اثر ہوا؟

۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کیا کیا؟

۳۔ وہ سردار کی بزدلی کو کیسے تاڑ گئے تھے؟

(۴)

# حرام سے پرہیز

حضرت ابوبکرؓ کا ایک غلام تھا۔ اسے موقع دیتے کہ وہ کچھ کما لایا کرے۔ وہ کما کر لاتا اور حسبِ دستور اپنی کمائی سے کچھ حصہ حضرت ابوبکرؓ کے لیے بھی نکالتا۔ اس کو وہ اپنے مصرف میں لاتے۔

ایک دن کمائی میں غلام کو کھانے کی کوئی چیز ملی۔ اس نے حسبِ معمول اس کا ایک حصہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کھانا شروع کیا تو غلام بولا:

''یہ جو آپ نوش فرما رہے ہیں کیا اس کے متعلق آپ کو علم ہے کہ یہ چیز مجھے کس طرح دستیاب ہوئی؟''

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''تم بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

غلام بولا: ''میں نے اسلام لانے سے قبل ایک شخص کے لیے فال نکالی تھی۔ فال نکالنا تو میں جانتا نہ تھا، صرف دھوکا دیا تھا۔ آج وہ شخص

ملا اور اس نے فال دیکھنے کے معاوضے میں یہ چیز دی جو آپ تناول فرما رہے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے یہ سنا تو چہرہ متغیر ہو گیا۔ اُٹھے اور جو کچھ کھایا تھا منہ میں ہاتھ ڈال کر سب قے کر دی۔ تم ہی سوچو، حرام کی کمائی سے حاصل کی ہوئی چیز وہ حلق کے نیچے کیسے اتار سکتے تھے؟

---

۱- حضرت ابوبکرؓ غلام کو کس چیز کا موقع دیتے تھے؟
۲- غلام خالی وقت میں کیسا کرتا تھا؟
۳- غلام نے حضرت ابوبکرؓ کو کھانے کی چیز کس طرح حاصل کر کے دی تھی؟
۴- حضرت ابوبکرؓ کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے کیا کیا؟
۵- حضرت ابوبکرؓ نے منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کیوں کر دی؟
۶- اس کہانی سے تمھیں کیا نصیحت ملتی ہے؟

(۵)

# اپنے ہاتھ سے کام کرنا

ایک بار کا ذکر ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک صحابیؓ خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلام کیا۔ آپؐ بڑے تپاک سے ملے۔ آپؐ اپنے ساتھیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ہاتھ پکڑ کر بٹھانے چلے۔ تو دیکھا، ہاتھ کالے پڑے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے بڑی حیرت سے پوچھا: ”کیوں بھئی کیا تمھارے ہاتھ پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ یہ کالے کالے نشان کیسے ہیں؟“

اُنھوں نے کہا: ”نہیں حضورؐ! یہ بات نہیں ہے۔ دراصل اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے میں پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں۔ اسی کی مزدوری سے ہم سب کی گزر اوقات ہوتی ہے، پھاوڑا چلانے کی وجہ سے میرے ہاتھ کالے ہوگئے ہیں۔ یہ سب گھٹوں کے نشان ہیں، کچھ لکھا نہیں ہے۔“

صحابیؓ کی بات سُن کر آپؐ بہت خوش ہوئے اور ان کا ہاتھ چوم

لیا۔ کیوں نہ ہو۔ یہ کتنی خوشی کی بات تھی کہ ایک غریب آدمی ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ دھوکا دھڑی اور بے ایمانی سے پیسے نہیں کماتا۔ بلکہ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے اور اتنی محنت مشقت کرتا ہے کہ ہاتھ کالے پڑ جاتے ہیں۔ حضورؐ کی نگاہ میں یہ بات بہت ہی قابلِ قدر تھی۔ اسی لیے تو آپؐ نے ہاتھ چوم لیا۔

---

۱۔ صحابیؓ کے ہاتھ کالے کیوں پڑ گئے تھے؟

۲۔ حضورؐ سے ان کی کیا بات چیت ہوئی؟

۳۔ حضورؐ نے ان کا ہاتھ کیوں چوم لیا؟

۴۔ محنت مزدوری کی کمائی بھیک مانگنے سے کیوں بہتر ہے؟

(٦)

# سوال کرنے سے احتراز

انسان کو اللہ نے بڑا اونچا درجہ دیا ہے۔ اسے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ دنیا بھر کا سامان دیا ہے۔ بھلا انسان کے لیے یہ کب زیبا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنے کو ذلیل کرے۔ اسی لیے حضورؐ اپنے ساتھیوں کو بہت خود دار بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ اللہ کی نیابت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا ہو سکے۔

ایک بار چند صحابی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے جہاں اور بہت سی شرطیں رکھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ "تم کسی سے سوال نہ کرو گے۔"

صحابہؓ اس پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر سواری پر جا رہے ہوتے اور کوڑا نیچے گر جاتا تو ساتھ کے پیدل چلنے والوں سے یہ کہنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ "میاں ذرا میرا کوڑا اُٹھا دینا۔" بلکہ خود اونٹ

بٹھا کر کوڑا اُٹھاتے تھے۔

ایک بار کا ذکر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اونٹنی پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے لگام ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اونٹنی کو بٹھایا، اُتر کر لگام ہاتھ میں لی اور پھر روانہ ہوئے۔ لوگوں نے کہا ''حضرت آپ نے کیوں تکلیف کی؟ ہم لوگ تو موجود ہی تھے ہمیں کیوں نہ حکم دے دیا؟ یہ کون سی بڑی بات تھی۔ ہم اُٹھا دیتے۔'' فرمایا:

''قدرت ہوتے ہوئے کسی سے سوال کرنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔ میں نے اپنے دوست حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا۔''

---

۱۔ خودداری کو سب سے زیادہ ٹھیس کس بات سے لگتی ہے؟

۲۔ حضورؐ اپنی امت کو کیا دیکھنا چاہتے تھے؟

۳۔ بھیک مانگنا ایک مومن کی شان کے خلاف کیوں ہے؟

۴۔ حضرت ابوبکرؓ نے اونٹنی بٹھا کر خود کوڑا کیوں اُٹھایا؟

۵۔ ساتھیوں کی بات کا آپ نے کیا جواب دیا؟

۶۔ اس سبق سے کیا نصیحت ملتی ہے؟

چچا سعدیؒ (اللہ کی آپ پر رحمت ہو) بڑے زبردست عالم اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ رہنے والے تو شیراز کے تھے، مگر علم کی خاطر بہت دور دور تک سفر کیا۔ مختلف زبانیں سیکھیں ہندستان بھی آئے تھے۔ اُنھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں گلستاں اور بوستاں بہت مشہور ہیں۔

ایک دفعہ چچا سعدیؒ سفر کرتے کرتے کسی شہر میں پہنچے۔ وہاں ان کے ایک دوست تھے۔ اُنھوں نے اپنے دوست کے یہاں قیام کیا۔ دوست نے بڑی خاطر تواضع کی۔ چچا کے لیے اچھے اچھے کھانے پکوائے۔ جب کھانا سامنے آیا تو چچا بولے:

''ہائے دعوتِ شیراز''

یہ سن کر اُن کے دوست کو تعجب ہوا۔ سوچا شاید شیراز کی دعوت

بہت پُرتکلّف ہوتی ہوگی۔ چناں چہ اگلے دن اس نے اور زیادہ اہتمام کیا۔ بہترین کھانے پکوائے۔ لیکن جب دسترخوان چنا گیا تو چچا نے پھر وہی فقرہ دہرایا:

''ہائے دعوتِ شیراز''

اپنے دوست کا تکلّف دیکھ کر چچا وہاں زیادہ نہ ٹھہرے اور جلد رخصت ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد وہی دوست شیراز آئے اور چچا سعدیؒ کے یہاں قیام کیا۔ سوچا اب ''دعوتِ شیراز'' دیکھیں گے جس کے لیے سعدیؒ آہ بھرا کرتے تھے۔ چچا سعدیؒ اپنے دوست سے ملے تو بڑے تپاک سے اور ان کی آمد پر انتہائی مسرت کا بھی اظہار کیا۔ مگر جب کھانے کا وقت آیا تو وہی روز کی دال روٹی لا کر سامنے رکھ دی اور بولے ''بسم اللہ نوش فرمایئے'' اور خود بھی شوق سے کھانے لگے۔

دوست کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چچا خود بول اُٹھے۔ ''بھئی وہاں جو میں نے دعوتِ شیراز کے لیے آہ بھری تھی، اس کا یہ مطلب تھا کہ دعوت پُرتکلّف نہ ہوتا کہ مہمان خواہ کتنے دن آن ٹھہرے میزبان کو بار نہ محسوس ہو۔ آپ کا اہتمام اور تکلّف دیکھ کر مجھے تکلیف ہوئی چناں چہ ارادے کے باوجود میں آپ کے پاس زیادہ دنوں نہ ٹھہر سکا۔''

# (۸)

# احساسِ فرض

حضرت عمرؓ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ سارے مسلمانوں کی خبر گیری کرے۔ وہ اپنے فرض سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے اس کی انجام دہی کے لیے بڑی محنت کرتے تھے۔ دن رات ایک کردیتے تھے۔ دن میں اپنے فرض کے ادا کرنے میں لگے ہی رہتے تھے رات میں بھی بہت کم آرام فرماتے۔ زیادہ تر رعایا کی خبر گیری کے لیے گشت لگایا کرتے۔

ایک دن کی بات ہے حضرت عمرؓ گشت لگانے نکلے۔ گھومتے پھرتے دور نکل گئے۔ واپسی میں ایک جھونپڑی پر نظر پڑی۔ دیکھا کہ ایک عورت چولھا جلائے بیٹھی ہے۔ چولھے پر ہانڈی چڑھی ہوئی ہے اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔ عورت انھیں بہلا رہی ہے۔ مگر وہ کسی طرح خاموش نہیں ہوتے۔ بچوں کا رونا بلکنا دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل بھر آیا۔ وہ اس کے

قریب گئے۔ دیر تک دیکھتے رہے مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ماجرا کیا ہے۔ آخر عورت کے پاس جا کر بچوں کے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے بتایا کہ یہ بچے بھوک کے مارے بلک رہے ہیں۔

''انھیں کھانا کیوں نہیں دیتیں۔'' حضرت عمرؓ نے پوچھا ''میں اتنی دیر سے کھڑا دیکھ رہا ہوں، تمھاری ہانڈی چڑھی ہے۔ آخر یہ کب تیار ہوگی۔''

''ہانڈی میں کچھ ہے نہیں'' عورت نے جواب دیا۔ ''بچوں کو بہلانے کے لیے صرف پانی چڑھا دیا ہے۔ چاہتی ہوں کہ کسی طرح انھیں نیند آ جائے اور یہ سو رہیں۔''

حضرت عمرؓ نے دیکھا تو واقعی ہانڈی میں صرف پانی اور کچھ کنکریاں تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا، بچے بھوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ ان کی تسلی کے لیے عورت نے چولھا جلا کر ہانڈی میں پانی اور کنکریاں ڈال دی تھیں۔ تاکہ بچے سمجھیں کہ کھانا پک رہا ہے، کچھ دیر میں نیند آ جائے گی اور یہ سو رہیں گے۔ پھر کسی نہ کسی طرح رات کٹ جائے گی۔ عورت بے چاری بیوہ تھی۔ بچے لاوارث اور یتیم تھے۔ گھر میں کمانے والا کوئی نہ تھا۔ بیت المال سے بھی اب تک کوئی وظیفہ مقرر نہیں ہوا تھا۔

دردوغم کی یہ داستان سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری

ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انھوں نے درد بھرے لہجے میں کہا:

"مائی! خلیفہ کو تم نے اطلاع کیوں نہ دی۔"

عورت: "میرے اور عمرؓ کے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا۔ میں عورت ذات کس سے کہتی پھروں۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خبر گیری کرے۔ اگر وہ اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا تو وہ خلیفہ کیوں ہو گیا۔"

حضرت عمرؓ پر جیسے بجلی گر گئی۔ یہ سن کر وہ فوراً بھاگتے ہوئے بیت المال پہنچے۔ آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں، پیٹھ پر لاد کر چلنے لگی تو غلام نے کہا:

"امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں، لائیے میں پہنچا دوں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا "نہیں! جب قیامت میں تم میرا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے تو آج میں تم سے کیوں اُٹھواؤں۔"

یہ کہہ کر سارا سامان خود لاد کر اس عورت کے پاس پہنچے۔ خود بیٹھ کر آگ پھونکی۔ کھانا تیار کر کے بچوں کو پیٹ بھر کھلایا۔ بچے ہنسی خوشی سو گئے۔

چلتے وقت عورت نے کہا:

"خلیفہ بننے کے لائق تو تم ہو نہ کہ عمرؓ۔"

حضرت عمرؓ بولے ''مائی معاف کرنا، عمر میں ہی ہوں۔ مجھ سے واقعی غلطی ہوئی کہ اب تک تمھاری خبر نہ لی۔''

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المال سے عورت اور بچوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

---

۱- حضرت عمرؓ کا کیا دستور تھا؟

۲- بیوہ سے کیا بات چیت ہوئی؟

۳- بچوں کے بہلانے کے لیے عورت نے کیا انتظام کیا تھا؟

۴- حضرت عمرؓ نے کس طرح مدد کی؟

۵- چلتے وقت عورت نے کیا کہا؟

(۹)

# بیٹے کے لیے ایثار

ہندستان میں مغل بادشاہوں نے بہت دنوں تک حکومت کی۔ مغل حکومت کا بانی بابر بادشاہ تھا۔ یہ اپنے بیٹے ہمایوں سے بڑی محبت کرتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ہمایوں سخت بیمار پڑا۔ اس وقت وہ سنبھل میں تھا۔ بابر نے اسے آگرہ بلا بھیجا۔ راستے میں بڑی احتیاط کی گئی۔ پھر بھی آگرہ پہنچتے پہنچتے ہمایوں کو سرسام ہوگیا۔ حالت اتنی خراب ہوگئی کہ حکیموں اور ویدوں نے جواب دے دیا۔ اب تو بابر کو بہت تردُّد ہوا۔ روز بہ روز حالت خراب ہوتی گئی۔ بابر اپنے بیٹے کی طرف سے انتہائی متفکر رہنے لگا۔ اس کی پریشانی دیکھ کر خود ہمایوں کی والدہ اپنا رنج وغم بھول گئی۔ بادشاہ کو سمجھانے بجھانے لگی کہ آپ اس قدر کیوں گھبراتے ہیں؟ آپ کے اور کئی بیٹے ہیں۔ آپ خود بادشاہ ہیں۔ بادشاہوں کو کس بات کا رنج ہوسکتا ہے؟ بابر نے جواب دیا ”تمھارا کہنا درست ہے۔ میں بادشاہ ضرور ہوں مگر

ساتھ ہی ساتھ باپ بھی تو ہوں۔ اپنے عزیز بیٹے کی شدید علالت کیسے برداشت کروں؟"

جب ہمایوں کی حالت بہت بگڑ گئی اور جینے کی آس نہ رہی تو بابر نے اپنے تمام درباریوں کو طلب کر کے پوچھا:

"اب ہمایوں کے لیے کیا کیا جائے؟"

مختلف لوگوں نے مختلف مشورے دیے۔ ایک نے کہا "آپ اپنی عزیز ترین شے ان کے بدلے میں قربان کر دیں۔ شاید اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں اور یہ بچ جائیں۔"

بابر کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا "میرے خزانے میں سب سے قیمتی چیز کون سی ہے جسے میں قربان کردوں؟"

لوگوں نے کہا "زرو جواہر اور روپے پیسے۔ آپ انھیں محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔"

بادشاہ کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ اس نے سوچا "میری عزیز ترین شے تو میری جان ہے۔ بیٹے کے بدلے تو مجھے اپنی جان قربان کرنی چاہیے۔"

یہ سوچ کر بابر نے روزہ رکھا۔ عبادت کی، پھر سنجیدگی سے ہمایوں کے کمرے میں داخل ہوا۔ تین بار اس کے پلنگ کا طواف کیا، طواف کرتے وقت وہ نہایت عاجزی سے دعا کرتا جارہا تھا کہ "اے اللہ! میرے بیٹے کی

جان بخشی کر۔ اس کے عوض میری جان قبول فرما لے۔"

اللہ نے اس کی دعا سن لی۔ ہمایوں آہستہ آہستہ اچھا ہونے لگا۔ اب بابر بیمار پڑا اور کچھ دنوں بعد اسی بیماری سے اس کا انتقال ہو گیا۔

---

۱۔ بابر کون تھا؟ اس نے ہمایوں کی علالت میں کیا کیا؟

۲۔ درباریوں نے کیا مشورہ دیا؟

۳۔ بابر نے بیٹے پر جان کیسے قربان کی؟

(۱۰)

# احتیاط

حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنا کام خود کرتے تھے اور دوسروں کی بھی خدمت کرتے تھے۔ وہ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد بھی تجارت جاری رکھی۔ کپڑوں کی گٹھریاں کندھوں پر لاد کر بازاروں اور گلیوں میں بیچا کرتے تھے۔ اسی آمدنی سے ان کا خرچ چلتا۔ مگر خلیفہ ہونے کی وجہ سے ان کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اب تجارت کے لیے وقت نہیں ملتا تھا۔ چناں چہ آپ کو تجارت چھوڑنی پڑی۔ اور مسلمانوں کی رائے سے بہت تھوڑی سی رقم بیت المال سے لے کر کام چلانے لگے۔

ایک دن آپ کی اہلیہ نے عرض کیا۔ امیر المومنین! آج کچھ میٹھی چیز کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اگر آپ شیرینی منگا دیتے تو اچھا ہوتا۔''

فرمایا: بیت المال اس کے لیے نہیں ہے اور میرے پاس بھی کوئی

رقم نہیں جس سے شیرینی منگوادوں۔"

یہ سن کر اہلیہ محترمہ خاموش ہوگئیں۔ بیت المال کی آمدنی سے روزانہ تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک دن شیرینی منگائی۔ میٹھا کھانا پکا کر حضرت ابوبکر کے پاس لے گئیں تو انھوں نے پوچھا:

"تمھیں شیرینی کہاں سے مل گئی۔"

بولیں کسی طرح کئی دن سے بچا بچا کر میں نے اس کے لیے رقم اکٹھا کی تھی۔

حضرت ابوبکر بولے "تم بچاتے رہیں اور گھر میں کسی کو محسوس بھی نہ ہوسکا کہ ہمارے کھانے میں کچھ کمی آگئی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم اتنی رقم بیت المال سے زیادہ لے رہے تھے۔"

اس کے بعد اپنے وظیفے میں سے اتنی رقم کم کرادی۔

---

۱- حضرت ابوبکرؓ کی گزران کا کیا انتظام تھا؟

۲- حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ سے کیا بات چیت ہوئی؟

۳- حضرت ابوبکرؓ نے اپنے وظیفے میں کمی کیوں کرادی؟

(۱۱)

# قیامِ امن کی کوشش

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ بڑے لڑاکو تھے۔ بات بات پر لڑتے۔ اگر کسی طرف کا کوئی آدمی ہلاک ہو جاتا تو جب تک اس کا بدلہ نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے۔ اس طرح آئے دن جنگیں ہوتیں اور جب ایک بار جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھتا تو پھر برسوں نہیں بجھتا اور عرب کے ایک بہت بڑے حصے کے امن وسکون کو جلا کر خاکستر کر دیتا۔ ان جنگوں کی وجہ سے ملک میں بڑی بے چینی رہتی تھی۔ ہزاروں آدمی ہلاک ہوتے تھے۔ کسی کو بھی اپنی، اپنے اہل وعیال اور اعزّ ا واقربا کی جان سلامت نظر نہ آتی۔ ان خوں ریزیوں کا نتیجہ یہ بھی ہوتا کہ سیکڑوں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو جاتے تھے۔ ان بیواؤں اور یتیموں کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوتا۔ ظالم لوگ انھیں ستاتے، طرح طرح سے پریشان کرتے۔ غلاموں کا حال تو ان سے بھی بدتر تھا۔ ان کے ساتھ بالکل جانوروں کا سا برتاؤ کیا جاتا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کم سن تھے۔ اللہ نے آپؐ کو نبوت بھی نہیں بخشی تھی۔ مگر آپؐ شروع ہی سے بہت نیک تھے۔ ان دردناک مناظر کو دیکھ کر آپؐ بہت کُڑھا کرتے۔ آپؐ اس بات کی پوری کوشش کرتے کہ کسی طرح اس قسم کے واقعات ہی رونما نہ ہونے پائیں، جن سے جنگ وجدال کی نوبت آئے۔ اور ملک کا امن وسکون غارت ہو۔ چناں چہ حجرِ اسود کو کعبہ کی دیوار میں نصب کرنے کے معاملے میں جب سرداراںِ قریش کی تلواریں کھنچ گئیں اور قریب تھا کہ خون خرابہ ہو جائے، اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی خوش اسلوبی سے جھگڑے کو رفع دفع کیا تھا۔ آپؐ نے ایک چادر میں حجرِ اسود کو رکھوایا۔ پھر ایک ایک گوشہ تمام سرداروں کو پکڑوایا اور لے جا کر دیوار میں نصب کرا دیا۔ اور اس طرح اہل عرب کو ایک زبردست تباہی سے بچا لیا۔

اسی دوران میں اتفاق سے ایک بیرونی تاجر سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا۔ یہاں لوگوں نے اس کا سامان لے کر اپنے گھروں میں رکھ لیا اور قیمت ادا نہیں کی۔ وہ بے چارہ روتا پیٹتا مختلف لوگوں کے پاس گیا۔ مگر کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ ایک غریب الوطن تاجر کو اس حال میں دیکھ کر آپؐ کو بہت دُکھ ہوا۔ آپ اکثر اس قسم کے مظالم کی روک تھام کی تدابیر سوچا کرتے تھے۔

عرب کے چند نیک مزاج لوگوں نے پہلے ہی سے ایک معاہدہ

کرر کھا تھا۔ جس کا نام حِلف الفضول تھا۔ اس کے اراکین اس بات کا اقرار کیا کرتے تھے کہ ہم سب مل کر مظلوموں کی مدد کیا کریں گے۔ مگر آہستہ آہستہ لوگوں نے اس قول وقرار کو بھلا دیا تھا۔ آپؐ نے اکثر قبائل کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو ملک کی اس تباہی، لوٹ کھسوٹ، بدامنی، راستوں کی خطرناکی، غریبوں، بے کسوں اور مسافروں کے ساتھ ناروا سلوک اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ آخر ایک انجمن قائم ہوگئی جس میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے۔

اس انجمن کے اراکین مندرجہ ذیل عہد کیا کرتے تھے۔

۱۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔
۲۔ ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔
۳۔ ہم غریبوں اور بے کسوں کی امداد کیا کریں گے۔
۴۔ ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

اس تدبیر سے ملک کی بدامنی ایک حد تک دور ہوگئی۔ لوگوں کی جان و مال کی بھی بہت کچھ حفاظت ہوگئی۔ آپؐ بعثت کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے:

''میں آج بھی اس معاہدہ پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔''

---

۱- حِلف الفضول کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟
۲- حضورؐ فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے کیا تدابیر کیا کرتے تھے؟
۳- آپؐ نے امن کے قیام کی کیا صورت نکالی؟
۴- معاہدے کی شرائط کیا تھیں؟

## (۱۲)

# پڑوسی کا حق

ایک بڑے اللہ والے بزرگ گزرے ہیں۔ اس کا نام تھا شیخ عبدالقادرؒ۔ وہ گیلان کے رہنے والے تھے۔ اسی لیے ان کو گیلانی بھی کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ بڑے پیر صاحب کے لقب سے بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔

شیخ عبدالقادر کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ جب وہ نماز پڑھتے یا قرآن شریف کی تلاوت کرتے تو یہودی شور مچاتا۔ اکثر باجا بجاتا تاکہ شیخؒ کی عبادت میں خلل ہو۔ وہ یہودی کی ساری حرکتیں برداشت کرتے تھے۔ نہ اسے خود روکتے اور نہ کسی کو روکنے دیتے۔

ایک بار یہودی کسی وجہ سے گرفتار ہوگیا۔ پولیس نے اسے جیل میں بند کردیا۔ شیخ کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ کئی دن تک باجا اور شور کی آواز نہ آئی تو انھوں نے سبب دریافت کیا۔ پتا چلا کہ یہودی حوالات میں ہے۔

شیخ کو اس کا بڑا افسوس ہوا کہ ان کا پڑوسی اتنی بڑی بلا میں گرفتار ہو گیا اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔ چناں چہ فوراً عدالت میں حاضر ہوئے اور حاکم سے کہا کہ اگر میرے پڑوسی کا جرم ایسا ہے کہ جرمانہ دینے سے معاف ہو سکتا ہے تو میں اس کے عوض جرمانہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ چھوڑ دیں اور اگر ابھی پوری طرح مقدمہ کی چھان بین نہ کی گئی ہو تو اس پر نئے سرے سے غور کر لیا جائے۔ شاید میرا پڑوسی بَری ہو جائے۔ حاکم نے کاغذات منگوا کر جانچ کی۔ اتفاق سے یہودی بے گناہ نکلا۔ مقدمہ خارج ہو گیا اور وہ جیل سے چھوٹ گیا۔

یہودی ان کے اس نیک سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پچھلی حرکتوں کی معافی مانگی۔ بولا میں نے آپ کو بہت ستایا۔ ہمیشہ آپ کی عبادت میں خلل انداز ہوا۔ آپ کو تو میری گرفتاری پر خوش ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس مصیبت میں آپ نے بدلا لینے کی بجائے میری مدد فرمائی اور مجھے قید سے نجات دلوائی۔ آپ کے برتاؤ کا مجھ پر بڑا اثر ہے۔ خدا کے لیے آپ مجھے معاف فرما دیں۔ میں اب کبھی ایسی بے ادبی نہ کروں گا۔"

آپ نے فرمایا: "میں نے تمھارے ساتھ کون سا بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے تو افسوس ہے کہ میں اس سے زیادہ تمھاری مدد نہ کر سکا۔ اسلام نے تو پڑوسی کا بہت بڑا حق بتایا ہے۔"

یہ سن کر وہ اور زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے کہا: ''بیشک اسلام سچا دین ہے۔ میں اب مسلمان ہوتا ہوں۔'' اس کے بعد کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

---

۱۔ بڑے پیر صاحب کا پورا نام کیا تھا؟

۲۔ ان کا پڑوسی کیسا آدمی تھا؟

۳۔ پڑوسی پر کیا افتاد پڑی؟

۴۔ انھوں نے اس کی کس طرح امداد کی؟

۵۔ بڑے پیر کے حسن سلوک کا یہودی پر کیا اثر پڑا؟

۶۔ اس کے معافی مانگنے پر انھوں نے کیا جواب دیا؟

۷۔ جواب کا یہودی پر کیا اثر ہوا؟

۸۔ پڑوسی کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟

(۱۴)

# مہمان نوازی

ایک دفعہ بھوک سے نڈھال ایک صحابیؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انھیں کھانا کھلانا چاہا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پانی کے سوا گھر میں کچھ نہیں ہے۔ یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا۔ پیارے نبیؐ کے یہاں اکثر فاقے کی نوبت آجاتی۔ اب کیا کریں۔ اس وقت کئی صحابی حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''آج کی رات اس مہمان کی میزبانی کون اپنے ذمہ لیتا ہے۔''

حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا ''یا رسولؐ اللہ! میں اس کی ذمے داری لیتا ہوں۔''

چناں چہ مہمان کو لے کر وہ اپنے گھر تشریف لائے۔ گھر میں دریافت کرنے پر پتا چلا کہ یہاں بھی اللہ کا نام ہے۔ صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے۔

انھوں نے بیوی سے کہا کہ تم بچوں کو تو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور جب میں مہمان کو گھر میں لے آؤں تو بتی ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ گل کر دینا۔ ہم لوگ بھی مہمان کے ساتھ بیٹھ جائیں گے۔ کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیں گے۔ ہم لوگ بھوکے اُٹھ جائیں گے، مہمان کو اندھیرے میں دکھائی دے گا نہیں، وہ سمجھے گا گھر والوں نے بھی کھالیا۔ اس طرح اسے اطمینان ہو جائے گا اور اتنے کھانے میں اس کا پیٹ بھی بھر جائے گا۔

چناں چہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ بہانے سے چراغ گل کر دیا۔ سب لوگ ساتھ بیٹھ گئے۔ مہمان نے سمجھا کہ سب کھا رہے ہیں اس نے اطمینان سے پیٹ بھر کھالیا۔ میزبان بھوکے رہ گئے مگر خوش تھے کہ چلو مہمان کا پیٹ تو بھر گیا۔ اور ہمارے بھوکے رہنے کی اسے خبر بھی نہیں ہوئی ورنہ شاید مہمان کو تکلیف ہوتی۔

صبح کو جب ابوطلحہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: طلحہؓ! تمھارے رات کے نیک برتاؤ سے اللہ بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی ہے وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ”وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ فاقہ سے ہوں۔“

---

(۱۵)

# امانت داری

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ایک بار بیت المال میں موتیوں کا ایک ہار آیا۔ اس ہار کی خبر ان کی صاحب زادی کو ہوئی۔ عید قریب تھی۔ صاحب زادی کو خیال ہوا کہ عید میں تمام عورتیں اچھے اچھے کپڑے اور قیمتی زیور پہنیں گی۔ کیوں نہ میں بھی بیت المال سے موتیوں کا ہار منگوا کر پہن لوں۔ عید بعد واپس کر دوں گی۔ یہ سوچ کر بیت المال کے محافظ سے کہا بھیجا کہ ”موتیوں کا ہار مجھے عاریتاً دے دو میں عید بعد واپس کر دوں گی۔“

تین دن کے وعدہ پر محافظ نے ہار بھیج دیا۔ عید کے دن صاحب زادی نے ہار پہنا۔ اتفاق سے حضرت علیؓ کی نگاہ ہار پر پڑ گئی۔ انھوں نے پہچان لیا اور فرمایا: ”میں اس لڑکی کا ہاتھ کاٹوں گا اس نے بیت المال سے چوری کی ہے۔“

صاحب زادی نے صفائی پیش کی اور کہا میں نے یہ ہار محافظ ک

اجازت سے تین دن کے لیے عاریتاً منگایا ہے۔ کل اسے واپس کردوں گی۔

یہ سن کر حضرت علیؓ نے محافظ کو طلب کیا اور فرمایا: ''کیا تم محافظ ہو کر مسلمانوں کی امانت میں خیانت کرتے ہو۔''

محافظ: ''حاشا وکلاّ! بھلا میں مسلمانوں کے مال میں خیانت کرسکتا ہوں؟ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔''

حضرت علیؓ: ''تم نے موتیوں کا ہار میری لڑکی کو کیوں دے دیا؟''

محافظ: ''صاحب زادی صاحبہ نے تین دن کے وعدہ پر عاریتاً طلب فرمایا تھا۔ اس لیے دے دیا ورنہ ہرگز نہ دیتا۔''

حضرت علیؓ: ''تو کیا یہ خیانت نہیں ہے۔ تم نے مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ایسا کیوں کیا؟ ہار فوراً لے کر بیت المال میں داخل کرو۔ میں اپنی لڑکی کی اس حرکت پر سخت ناراض ہوں۔ اگر عاریتاً اور تمھاری اجازت سے نہ لیا ہوتا تو چوری کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔''

اس کے بعد وہ ہار منگوا کر بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔

---

۱- صاحب زادی نے ہار کیسے حاصل کیا تھا؟ حضرت علیؓ کو کیسے خبر لگی؟
۲- حضرت علیؓ کی محافظ سے کیا بات چیت ہوئی؟
۳- حضرت علیؓ اپنی لڑکی کی اس حرکت پر کیوں خفا ہوئے؟

## (۱۶)

# شجاعت

سلطان صلاح الدین ایک بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ بچپن ہی سے بہت دلیر تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہر رِہا کی عیسائی فوجوں نے اس قصبہ پر حملہ کر کے سارا قصبہ تباہ کر دیا۔ مال واسباب لوٹ لیا۔ عورتوں کو پکڑ لے گئے۔

صلاح الدین ابھی لڑکا تھا۔ مگر عیسائیوں کا ظلم وستم اس سے برداشت نہ ہوا۔ ایک بوڑھے ترکی کو ساتھ لیا، اور بادشاہ کے پاس فریاد لے کر گیا۔ عمادالدین زنگی وہاں کا بادشاہ تھا۔ اُس کا پایۂ تخت شہر موصل تھا۔ سلطان زنگی بھی بڑا بہادر بادشاہ تھا۔

یہ دونوں موصل کے قریب پہنچے۔ اتفاق سے سلطان زنگی گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ یہ دونوں چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ سلطان نے گھوڑا روک کر رونے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے سارا حال کہہ سنایا۔

سلطان نے پوچھا ''اتنا بڑا ظلم ہوا اور تم نے کچھ نہ کیا۔''

صلاح الدین گولڑ کا تھا مگر تھا بڑا نڈر، جھٹ سامنے آیا اور بولا:

''ہم کیا کرتے۔ ہمارا سلطان بڑا بے خبر ہے۔ ہمارے اوپر ظلم توڑے جاتے ہیں اور وہ خوابِ خرگوش میں ہے۔ ہمارے لیے کچھ نہیں کرتا۔ ہم اس کے پاس فریاد لے کر جا رہے ہیں۔''

یہ سن کر سلطان گھوڑے سے اتر پڑا۔ بولا: ''میں ہی وہ بد بخت زنگی ہوں جس کی رعایا پر ظلم توڑے جا رہے ہیں اور وہ بے خبر ہے۔''

یہ سن کر صلاح الدین نے معذرت چاہی اور تفصیل سے سارے واقعات بتائے۔ بادشاہ انھیں قلعہ میں لے گیا۔ آرام سے رکھا۔ اپنے تمام فوجیوں کو جمع کر کے رِہا کی صورتِ حال سے خبر دار کیا۔ سب کو غیرت دلائی اور آخر میں کہا:

''کل صبح میری تلوار رِہا کے قلعہ پر چمکے گی۔ تم میں سے کون کون میرا ساتھ دے گا؟''

تمام فوجی حیران تھے۔ کہ رِہا موصل سے ۹۰ میل فاصلہ پر ہے، راتوں رات اتنی مسافت طے کرنا اور وہاں پہنچ کر حملہ کرنا یہ کیسے ممکن ہے۔ بادشاہ کو کیا ہو گیا ہے۔ بھلا یہ ممکن بھی ہے۔ ابھی سب لوگ امکان ہی پر غور کر رہے تھے کہ صلاح الدین بول اُٹھا:

''ہم کل بادشاہ کے ساتھ ہوں گے۔''

سب گھبرا کر صلاح الدین کی طرف دیکھنے لگے۔ بعضوں نے فقرے چست کیے کہ ''میاں صاحب زادے! جاؤ کھیلو کودو یہ جنگ ہے، بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ تمھیں دخل در معقولات سے کیا کام؟''

سلطان زنگی نے یہ فقرے سنے۔ غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ گرج کر بولا: ''یہ بچہ سچ کہتا ہے۔ اس کی صورت بتاتی ہے کہ یہ میرا ساتھ دے گا۔''

اب تو فوجیوں کو بڑی غیرت آئی، سب تیار ہو گئے۔ دوسرے دن دو پہر تک رِہا کے پھاٹک پر پہنچ گئے۔ اتفاق سے رِہا کا عیسائی بادشاہ آرام کرنے کے لیے ایک دور کے دیہات میں چلا گیا تھا۔ اب تو بڑا اچھا موقع مل گیا۔ سلطان زنگی نے دھاوا بول دیا۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی، عیسائی فوج کا سپہ سالار بڑی آن بان سے سامنے آیا۔ سلطان زنگی نے کاری ضرب لگائی۔ مگر اس کی زرہ لوہے کی تھی۔ زرہ تو کٹ گئی مگر وہ زخمی نہ ہوا۔ اس نے سلطان پر بڑا زبردست ہاتھ مارا۔ نیزہ پڑا ہی چاہتا تھا کہ صلاح الدین بجلی کی طرح بیچ میں آ گیا۔ اور زرہ کے کٹے ہوئے حصے پر اس زور سے وار کیا کہ سپہ سالار کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب کیا تھا۔ سردار کا قتل ہونا تھا کہ عیسائی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ رِہا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمان عورتیں واپس ملیں۔

صلاح الدین کی بہادری دیکھ کر سب عش عش کرنے لگے۔

---

۱- صلاح الدین کون تھا؟ یہ سلطان زنگی کے پاس کیسے آیا؟
۲- اس کی شکایت پر سلطان زنگی نے کیا کیا؟ فوج چڑھائی کے لیے کس طرح تیار ہوئی؟
۳- عیسائی فوج کا سپہ سالار کس طرح قتل ہوا۔ اس کے قتل کا عیسائی فوج پر کیا اثر پڑا؟
۴- رہا کیسے فتح ہوا؟ اس فتح کے بعد کیا ہوا؟

(۱۷)

# زرق برق لباس سے اجتناب

حضرت عمرؓ کا لباس بہت ہی سادہ ہوتا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ مجھے تین چیزیں نہایت مرغوب ہیں (۱) نیک باتوں کا حکم کرنا (۲) بُری باتوں سے روکنا (۳) پُرانے کپڑے استعمال کرنا۔

حضرت عمرؓ اکثر پھٹے پُرانے کپڑوں میں رہتے تھے۔ کبھی کبھی تو کرتے میں متعدد پیوند لگے ہوتے۔ ایک دن ممبر پر کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے۔ لباس میں بیسیوں پیوند لگے تھے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب دنیا کی سب سے بڑی سلطنتیں ایران وروم فتح ہو چکی تھیں۔ اور اسلامی حکومت دنیا کے ایک بڑے حصہ پر قائم ہو چکی تھی۔ سرکاری خزانہ بھی بھرپور تھا۔ امیر المومنین کا پھٹا پُرانا لباس دیکھ کر بعض مسلمانوں کے دل میں خیال گزرا کہ اب حضرت عمرؓ کو اپنا لباس بدل دینا چاہیے اور کم از کم پھٹے پُرانے کپڑوں سے تو پرہیز کرنا چاہیے۔

چناں چہ ایک وفد بنا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت کے مزاج سے واقف تھے۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر ان کی صاحب زادی حضرت حفصہؓ کو تیار کیا کہ وہی دباؤ ڈال کر حضرت کو بوسیدہ لباس زیب تن کرنے سے روکیں۔ چوں کہ حضرت حفصہؓ حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ میں سے تھیں۔ اس لیے باوجود صاحب زادی ہونے کے حضرت عمرؓ ان کا لحاظ کرتے تھے۔

حضرت حفصہؓ ہمت کر کے پاس گئیں، اور بہت اصرار کیا۔ مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا۔ آخر کار حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''بیٹی تم تو رسول اللہؐ کی صحبت میں رہ چکی ہو۔ تمھارے حجرے میں آپؐ کے لیے کیا اہتمام تھا؟''

حضرت حفصہؓ نے جواب دیا: ''میرے حجرے میں تو آپؐ کے سونے کے لیے ایک ٹاٹ تھا جو دو تہہ کر کے زمین پر بچھا دیا جاتا تھا۔ اسی پر آپ لیٹ رہتے تھے۔ اکثر جسم اطہر پر نشان پڑ جاتے تھے۔ ایک دن میں نے ٹاٹ کو چار پرت کر کے بچھا دیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ''حفصہؓ آج تم نے کیا بچھا دیا، مجھے بہت گہری نیند آئی۔'' میں نے بتایا تو آپؐ نے فرمایا: ''اسے پہلے ہی کی طرح بچھایا کرو۔''

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''کیوں حفصہؓ! جس کے رسولؐ نے اتنی تنگی اور سادگی کے ساتھ زندگی گزاری اس کی امت کو کب زیب دیتا

ہے کہ وہ عیش و عشرت کرے اور زرق برق لباس پہنے۔ تم مجھ پر کیوں دباؤ ڈالتی ہو؟''

حضرت حفصہؓ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئیں، اور پھر کبھی اصرار نہ کیا۔

---

۱۔ حضرت عمرؓ کون تھے؟ ان کی مرغوب چیزیں کیا تھیں؟

۲۔ وہ کیسا لباس زیب تن فرماتے تھے؟

۳۔ حضرت حفصہؓ ان سے کس بات کا اصرار کر رہی تھیں؟

۴۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو کس طرح سمجھایا؟

۵۔ اس کہانی سے تمھیں کیا نصیحت حاصل ہوتی ہے؟

(۱۸)

# رفاہِ عامّہ کے کام

ہارون رشید کا نام تو سن چکے ہو۔ خاندانِ عباسیہ میں وہ بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ اس کی ملکہ کا نام زبیدہ خاتون تھا یہ بہت نیک خاتون تھیں۔ رفاہِ عامّہ کے کاموں سے انھیں بڑا لگاؤ تھا۔ عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں پانی کی قلّت کو محسوس کر کے انھیں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ خصوصاً مکہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کی اِس دِقّت کو وہ دور کرنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ اپنی سلطنت کے بڑے بڑے انجینیروں کو طلب کیا اور ان سے کہا:

"کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ مکہ معظّمہ تک پانی پہنچ جائے۔ تا کہ وہاں کے لوگوں کی تکلیف رفع ہو جائے۔"

ملکہ کے حکم کی دیر تھی۔ انجینیر فوراً موقع پر پہنچے۔ گھوم پھر کر اچھی طرح معائنہ کیا۔ اطراف کا نقشہ تیار کر کے ملکہ کے سامنے پیش کیا۔ اور بتایا

کہ طائف کے قریب پہاڑ سے ایک چشمہ بہہ کر حنین کی طرف آتا ہے۔ اس چشمہ سے نہر نکال کر مکہ معظّمہ تک پہنچائی جاسکتی ہے۔ مگر راستہ میں بہت سے پہاڑ ہیں۔ انھیں کاٹ کر نہر کا راستہ بنانا آسان نہیں ہے۔ اس پر بہت محنت اور کثیر رقم صرف ہوگی۔

''تم خرچ کی پرواہ نہ کرو۔'' ملکہ بولی: ''اگر ایک کدال مارنے کی مزدوری ایک اشرفی بھی ہوگی تو میں بخوشی ادا کروں گی۔''

حکم ملنا تھا کہ انجینیر اپنے کام پر لگ گئے۔ کام شروع ہوگیا۔ طائف سے مکے تک نہر کے راستے کے لیے زمین خرید لی گئی۔ قریب کے تمام جھرنوں، سوتوں اور چشموں کو ملا کر ایک بڑا چشمہ تیار کرلیا گیا۔ پھر اس سے نہر نکال کر مکہ معظّمہ تک پہنچائی گئی۔

تین سال کی لگاتار محنت اور زرِ کثیر صرف کرنے کے بعد یہ نہر تیار ہوگئی۔ ملکہ کی خواہش پوری ہوئی۔ مکے تک نہر پہنچ گئی۔ ملکہ کی یہ یادگار نہر زبیدہ کے نام سے اب تک مشہور ہے۔

ملکہ نے چاہ زمزم کو بھی صاف کرایا تھا۔ اس میں بھی کافی پانی نکل آیا تھا۔ جس سے مکے والوں کو بہت آرام پہنچا۔